پندرہ روزہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

علیگ

• علیگ میں چھپنے والے تمام مواد کے لئے ادارہ ذمہ دار ہے۔
• ہر مہینہ کی ۵ اور ۲۰ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

فی پرچہ ۱۲ نئے پیسے
ششماہی عہر

جلد ۲ | ۲۰ر جولائی ۱۹۵۷ء | نمبر ۱

لو ہم پھر آ گئے

بساط ہوائے دل کے تازہ واردوں کو ادارۂ علیگ خوش آمدید کہتا ہے،

نئے سال کے آغاز کے ساتھ علیگ کی اشاعت کا دوسرا سال شروع ہوتا ہے۔ جس کیف دلی سے ہم سال گزشتہ آپ سے رخصت ہوئے تھے۔ اتنی ہی خوش دلی سے آج آپ سے ملاقات ہے۔

جب ہم نے علیگ نکالا۔ تو ہمارے ذہن امنگوں سے بھرپور تھے۔ اور جذبات اظہار کے لئے بے قرار۔ مگر نہ وسائل کی فراوانی تھی۔ اور نہ حالات ہی امید افزا پھر بھی ہم نے ہمت کی اور سینکڑوں امید و بیم کے جذبات کے ساتھ علیگ کا پہلا شمارہ پیش کیا۔

علیگ کی آواز نئے علی گڑھ کی آواز تھی۔ لیکن اس میں بوڑھے سرسید کی آواز کی بازگشت بھی شامل تھی۔ وہ نئی زندگی کی پیام بر تھی، لیکن اس میں جو کچھ اچھا تھا اُسے سیکھنے کا جذبہ اور جو خراب تھا اسے رد کرنے کا حوصلہ تھا یہ نہ تو علی گڑھ کے کھنڈروں کی آواز تھی۔ نہ بادۂ تخیل میں ڈوبے ہوئے اسکالروں کی فکر۔ بلکہ وہ علی گڑھ کے ایسے دماغوں کی عکاس تھی۔ جن کی نظر اپنی بلندیوں پر بھی تھی۔ مگر وہ اپنی پستیوں سے بھی غافل نہ تھے جو علی گڑھ کی سماجی زندگی میں نیا شعوری انقلاب لانا چاہتے تھے، جو نہ نکتہ چینوں کی تنقیدوں سے ممکن تھا۔ اور نہ انقلاب زندہ باد کے نعروں سے۔ ہم نے وعدے نہیں کئے۔ امیدیں نہیں دلائیں ہم کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ہم جو کچھ کر سکے وہ آپ کے سامنے آیا —— اور جو کچھ نہیں کر سکے اس کے لئے حوصلے ہمیشہ بلند رکھے۔ ہم نے نہ بت گری کی بنیاد ڈالی نہ بت شکنی کی طرح ہم نے ہر اچھی چیز کو سراہا، اور ہر بری چیز کو توڑنا۔ ہماری خواہش تھی۔ کہ برسوں کے خوابیدہ دماغوں کو جھنجھوڑ سکیں۔ جنھیں عظمت ماضی کے افسانے سنا کر بار بار سلا دیا جاتا ہے۔ اس شعور کی بیداری سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم دور حاضر کے طلبوں کے دلوں سے جھجک کی دہشت نکال سکیں۔ ہر نئی چیز سے خوف اور جھجک اور ہر نئے تجربے سے اندیشے جو علی گڑھ کی روح میں سرایت کر چکے ہیں انھیں نکال کر اسے نئی زندگی کے تقاضوں کو سمجھنے کا حوصلہ دیا جائے۔

علی گڑھ تحریک اپنے دور کی سب سے زیادہ ترقی پسند تحریک تھی۔ یہ ایک ایسے سماج میں ابھری۔ جس کی روح کو برسوں کا تعیش اور دماغی آرام زندگی کے آخری مراحل پر پہونچا چکا تھا۔ اس کی فکر مر چکی تھی، اعضا شل ہو چکے تھے اور دل مردہ ہو گیا تھا۔ اسے کوئی راہبر راستہ نہ دکھا سکتا تھا۔ کوئی سہارا اس کی بنیادوں کو مضبوط نہیں کر سکتا تھا۔ اور کوئی طاقت اسے ختم ہونے سے نہیں روک سکتی تھی۔ یہ زندگی کے آخری مرحلے پر پہونچ چکا تھا۔ اس دور میں کتنے ہی غالب ہو گئے۔ جنھیں اپنی اس حالت کا اندازہ ہوا۔ اور وہ غم جاناں میں ڈھل کر شعریت کے سانچوں میں ڈھل گئے۔ اشاروں اور کنایوں سے قوم کی تاریخ نہیں بدلتی۔ اور میدان جنگ میں محض شعروں کی جھنکار کسی کو فتح نہیں دلا سکتی۔

اس سماج کو آخری ضرب انقلاب ۱۸۵۷ء نے لگائی۔ اور پرانا سماج آخری سسکیاں لینے لگا۔ اور اس سماج کے پرستار مرثیہ پڑھ کر اپنے غموں کو ہلکا کرنے لگے۔ ایک سماج مرا لیکن اس کی جگہ دوسرا سماج پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ پیدا ہونے سے انکار کر رہا تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء مسلمانوں کی ہار

(باقی صفحہ ۲ پر)

زیرِ لب

جب امتحان قریب آنے لگتے ہیں۔ تو یونیورسٹی میں ہر طرف حاجتمندوں اور پریشان حالوں کی ایک قوم نظر آتی ہے۔ اور سفارشوں درخواستوں اور ذرہ نوازیوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ ضرورت مند بھی بڑے غم کے ہوتے ہیں۔ کسی نے پورے سال ہال کا اکاؤنٹ صاف نہیں کیا، کوئی سیلاب زدہ علاقے سے آیا ہے۔ جہاں کے دریاؤں کا سیلاب اس کی ساری آرزوؤں پہ پانی پھیر گیا۔ کسی کا افلاس زبانِ حال سے گویا ہے۔ اور یونیورسٹی کے مختلف ادارے، پرووسٹس، ڈیبوٹی سوسائٹی اور اشخاص ان حضرات کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کے کاروبار میں جو کچھ بھی نہ ہوتا ہو تھوڑا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کر نہ تو یونیورسٹی کے پاس ایسا کوئی آلہ ہے۔ جسے لگا کر کسی کی مالی حالت کا صحیح اندازہ لگا سکے اور نہ چاہے ممکن ہے کہ اس قسم کی امداد ہر ضرورت مند تک پہنچے۔ چنانچہ یہ معمولات میں سے ہے کہ ہر سال بہت سے ضرورت مند طلباء محروم رہ جاتے ہیں۔ اور خوشحال رنگیلوں کی ایک بڑی تعداد ان نوازشوں سے فیضیاب ہوتی ہے۔

عام طور سے انتخاب و انتقاد کا یہ کام وارڈن کے سپرد کیا جاتا ہے سپرد کرنے والے غالباً یہ توقع رکھتے ہوں گے کہ وارڈن حضرات ہوسٹلوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا لڑکوں کے حالات اور ان کا وضع سے بھی واقف ہوں گے۔ ان غریبوں کو یہ کیا معلوم کہ وارڈن حضرات کی ایک بڑی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو لڑکوں کے حالات سے واقف کا تجربہ کیے بجائے اپنا فاضل وقت ہوسٹل کے دو چار سر آوردہ لڑکوں سے خوش گپیوں اور ریڈیو سے دل بہلانے میں گزار دیتے ہیں۔ اور اخلاقی زندگی کی وہ نعمتیں علی گڑھ جن کے لئے چار دانگ عالم میں مشہور تھا اب دم توڑ چکی ہیں۔

پھر اپنے فرائضِ منصبی سے اس درجہ بے نیازی اور لاعلمی ہی پر بس نہیں، بلکہ وارڈن حضرات کا رویہ اکثر متعصبانہ ہوتا ہے۔ ان لڑکوں سے جنھیں وہ جانتے ہیں یا جن کے لئے ان تک کوئی سفارش پہنچ چکی ہے وہ اور طرح سے ملتے ہیں۔ اور ان لڑکوں سے اور طرح جو بے سروسامان اور بے سہارا ہیں۔ اور چونکہ سفارش ان تک رسائی کا ایک شارٹ کٹ ہے اس لئے لڑکوں کی اکثریت اس کا التزام کر کے ان سے ملتی ہے۔ لیکن جو بدنصیب اس قابل نہیں ہوتے ان سے یہ لوگ کس طرح ملتے ہیں۔ اس کی ایک مثال دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

گذشتہ سال اپریل میں جب اس قسم کی امداد دینے کا اعلان ہوا تو آفتاب ہال کے ایک ہوسٹل میں رہنے والے ایک طالب علم نے اپنی درخواست وارڈن کی خدمت میں پیش کی۔ چونکہ اس کیس میں کوئی سفارش نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے تعرف ہو کہ وارڈن صاحب کا طرزِ کلام ہمدردانہ نہ تھا بلکہ انتہائی جارحانہ تھا۔ وارڈن صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کے پاس پڑھنے کو پیسے نہیں ہیں تو کچھ اور کیجئے۔ یونیورسٹی کھیتی تو کرتی نہیں ہے۔ اور اگر یہاں وسائل نہیں ہیں تو آپ پاکستان چلے جائیے اور یہ بات کسی معمولی آدمی نے نہیں بلکہ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ

یہ علی گڑھ ہے

(عابد اللہ غازی)

ٹریڈیشن

کیجئے صاحب یہ گھنٹی کیوں بج رہی ہے؟
کنڈولینس میٹنگ ہے!
تو گھنٹی تو نہ بجنی چاہیئے؟
کوئی آنا نہیں تو کیا کریں؟
مگر یہ Tradition ٹریڈیشن کے تو خلاف ہے۔

دستوری خوبی

کیا condolence meeting کنڈولینس میٹنگ میں
کتنے لوگ آئے؟	دس تھے

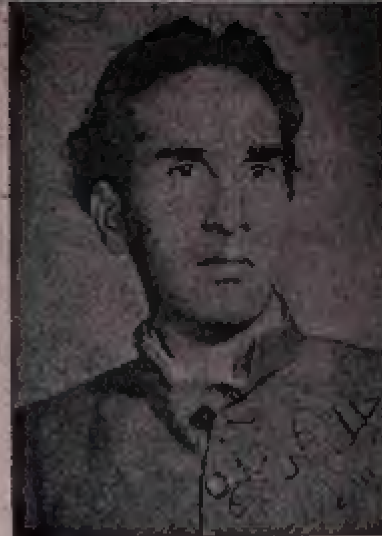
ارے کورم بھی پورا نہ ہوا؟
کنڈولینس میٹنگ کے لئے کورم کی ضرورت نہیں!
CONSTITUTION بنانے والے کافی عقلمند تھے!
اور کافی تجربہ کار بھی!!

قصاص

یہ اتنے لڑکے مرتے ہیں ان کے کفن دفن کا انتظام کون کرتا ہے؟
یونیورسٹی!
مفت میں؟
نہیں! بعد میں ان کے والدین کو بل بھیج دیا جاتا ہے!
اور اگر وہ نہ دیں؟
تو یونیورسٹی پر پڑے گا!
یہ تو اچھا نہیں
تو پھر کیا ہونا چاہیئے؟
میڈیکل اسٹاف کی تنخواہ سے کٹنا چاہیئے!!

سیاسیات کے ایک ریڈر نے کہی جو یونیورسٹی میں سیاست کے معتقد اصولوں کا پرچار کرتے ہیں۔ کوئی جن سنگھی مہا سبھائی یا مسلم لیگی اس قسم کی بات کہتا تو ہمیں کوئی شکایت نہ ہوتی۔ لیکن مسلم یونیورسٹی کے ایک ذمہ دار فرد کی زبان سے ایسے کلمات ہمارے لئے غم و غصہ کا سبب ہیں۔ اس واقعہ کی باضابطہ طور پر ایک رپورٹ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ لیکن غالباً انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ اور فراموش کر دیا۔

ہم یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایسے غیر ذمہ دار اور نافرض شناس اہلکاروں سے باز پرس کریں۔ اور یونیورسٹی میں بے اتفاقی اور اقربا پروری کو پروان چڑھنے سے روکیں۔ وارڈن کے یہ جملے فرقہ وارانہ ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں۔ اور ہمارے یونیورسٹی کے خلاف سماج کے دامن پر ایک بدنما داغ ہیں۔ کسی تعلیمی ادارے کے لئے یہ بات بڑی شرمناک ہے کہ وہاں اساتذہ شاگردوں سے اس طرح کا برتاؤ روا رکھیں۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔



خلیل الرحمٰن اعظمی (از ثنا مہدی)

خلیل الرحمٰن اعظمی کا شمار جدید تر نسل کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ نے ہائی اسکول اعظم گڑھ سے کیا، اور اس کے بعد ایم۔ اے (اردو) تک کے سارے تعلیمی مدارج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں طے کیے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک مسلم یونیورسٹی گزٹ کے سالنامہ جدید کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ آجکل یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لیکچرر ہیں۔

تصنیفات:۔ آئینہ خانہ میں۔ کاغذی پیرہن۔ فکر و فن!

زیر طبع:۔ نوائے ظفر۔ مقدمہ کلام آتش۔ کاغذی پیرہن (نیا ایڈیشن) (؟)

جیب کے سوا اب چارہ ہی کیا ہے + گذری ہے دل پر کچھ وارداتیں
مجھ کو رسوا کر دیکھو اور کہ میرے غم کی — کسی بیگانۂ الفت کو خبر ہوگی ہنوز
عارض پہ تیرے میری محبت کی سرخیاں + میری جبیں پہ تیری وفا کا غرور ہے
ہم جیسے سرکش بھی رو دیتے ہیں + اب کے کچھ ایسا غم آپڑا ہے
جس دم محبت مجھ تک ہی رہتا — ان کا بھی دامن الجھا ہوا ہے
ہائے یہ حال کہ اس ترک تعلق پر بھی — کچھ نہیں کہتا کہ میری بھی تو رسوائی ہے

ستا رہا ہوں تمہیں جھوٹ موٹ اک قصہ + کہ ایک شخص محبت میں کامیاب رہا
یہ سچ ہے آج بھی ہے مجھے زندگی عزیز + لیکن جو تم کہو تو یہ سودا گراں نہیں
اک ہم کہ پاس رہ کے بھی کچھ دور دور تھے + اک میں کہ تم سے چھوٹ کے بھی کچھ بدگماں نہیں
میرے جنوں پہ ان کو خلش سی ضرور ہے + یہ اور بات ہے کہ وہ کچھ مہرباں نہیں
ہم اہل دل کے پاس دل خونچکاں تو ہے + تم کو سنائیں حال وہ طرز بیاں نہیں
پھر سے چلے جانا ابھی وقت بہت باقی ہے + ابھی رک جاؤ کہ جی بھر کے کہاں دیکھا ہے

اتنے دن بیتے کہ بھولے سے کبھی یاد تیری + آئے تو آنکھوں میں آنسو نہیں آتے ہیں
اب ان بیتے دنوں کو سوچ کے کچھ ایسا لگتا ہے
کہ خود اپنی محبت جیسے اک جھوٹی کہانی ہے

تم نے بھلا دیا تو نئی بات کیا ہوئی + رہتی ہے یاد کس کو وفا کی کہانیاں
چل کے پھر کنج محبت میں کوئی بات کریں + بعد مدت کے کوئی آیا ہے دل جاں کر
چاند کے سایہ میں پھر شہر نگاراں میں پھریں + ہاتھ میں ہاتھ لیے پہلو بہ پہلو بن کر
کیوں نہ اس سے کہ اب جا ہی پہنچ جاؤ + لب پہ پھیلا ہوا اسرار دہن بن کر
اب دنیا کو نئے ڈھنگ سے آباد کریں — کبھی نغمہ کبھی شعلہ کبھی آنسو بن کر

کبھی یہ ہونٹ کہ اندیشۂ رسوائی تھا + پھر بھی ہر سانس میں اک چھیڑ سا نام آیا
ہنس ہنس کے دے رہے ہیں کئی زہر جام بھی + تیرے بلاکشوں سے نہ پینے کی خو گئی
سب کچھ بنا کے بھی میں تیرا اسیر ہوں + اے دختر یقیں ترے دل سے نہ تو گئی
ہر بے کیف ادا سے گلہ نشۂ حیات + کیجے تو یوں تو ستی جام و سبو گئی
سینہ ہو دامن تمام ہر کلی کا آج + باد صبا چمن سے بہت سرخرو گئی

ہم نشے میں بھی اکثر چونک اٹھتا ہے + دل صد چاک جسکو بار بار اپنی ہی یاد آئے
اک دن تھا کہ تیرے جینا میں بھی تیری آرزو تھی + یہ کہ دن ہے کہ تجھکو دیکھ کر بھی کچھ نہ یاد آئے
رستہ میں ہم ملے ہر یوں ملے تو کیا پوچھا + مگر جو ہو چکا اب اس پہ کیا ہوتا ہے پچھتائے
یہ سچ ہے ایک زہر غم ہی آیا اپنے حصے میں + مگر یہ زہر پی کر بھی ہم جینے سے باز آئے
نشہ کے سوا کتنے نشے اور بھی ہیں + کچھ بہانے مرے جینے کے لئے اور بھی ہیں
ہجر تو ہجر تھا اب دیکھئے کیا بیتے گی + اس کی قربت میں کئی صدمے اور بھی ہیں
رات تو خیر کسی طرح سے کٹ جائے گی + رات کے بعد کئی کوس کڑے اور بھی ہیں
زندگی آج تلک جیسے گذاری ہے نہ پوچھ + زندگی ہے تو ابھی کتنے مزے اور بھی ہیں
خم و دل بارہا ہم نے شکستہ سے نہ کھیل + مشغلے میری جوانی کے لئے اور بھی ہیں
وادیٔ غم میں مجھے دیر تلک آواز نہ دے + وادیٔ غم کے سوا میرے ٹھکانے اور بھی ہیں

وہ دن کب کے بیت گئے جب دل سپنوں سے بہلتا تھا
گھر میں کوئی آئے کہ نہ آئے ایک دیا سا جلتا تھا
یاد آتی ہیں وہ شامیں جب رسم و راہ کسی سے تھی
ہم بے چین سے ہونے لگتے جوں جوں یہ دن ڈھلتا تھا
ان گلیوں میں اب سنّاٹے ہیں راتیں بھی سو جاتی ہیں
جن گلیوں میں ہم پھرتے تھے جن میں وہ چاند نکلتا تھا
وہ مانوس سلونے چہرے جانے اب کس حال میں ہیں
جن کو دیکھ کے خاک کا ذرہ ذرہ آنکھیں ملتا تھا
دنیا بھر کی رام کہانی کس کس ڈھنگ سے کہہ ڈالی
اپنی کہنے جب بیٹھے تو اک اک لفظ پگھلتا تھا!

(بقیہ صفحہ پر)

یہ پندرہ دن

اردو کانفرنس

۳۰ جولائی کو انجمن ترقی اردو ہند کی مجوزہ اردو کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر (صدر انجمن) نے کی۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے انجمن ترقی اردو ہند کی شاخوں کے نمائندوں کے علاوہ مشہور شاعر، ادیب، اور ماہر لسانیات آئے تھے۔ کانفرنس میں چند اہم تجاویز منظور کی گئیں اور زبان کے مختلف مسئلوں پر بحث کی گئی۔ کانفرنس پورے ۵ روز رہی۔

یونیورسٹی ۱۶ جولائی کو کھلنے والی تھی مگر انفلوئنزا کی وجہ سے تاریخ بڑھا کر ۳۰ جولائی کر دی گئی ہے۔ اب یونیورسٹی میں داخلے ۳۰ جولائی کو شروع ہونگے۔

انجینئرنگ کالج اور پالی ٹیکنک کے داخلوں اور انٹرویو کے سلسلے میں بہت سے طالب علم علی گڑھ آ گئے تھے جس کی وجہ سے پچھلے ۱۰ دن میں کافی چہل پہل رہی۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ امسال ایم اے سیاسیات (پریولیس) کلاس میں صرف ۵۰ داخلے ہونگے۔ اور وہ بھی صرف فرسٹ اور سیکنڈ ڈویژن والوں کے۔

کھیل کے میدان سے —

علی گڑھ کے کھلاڑی ماسکو جا رہے ہیں

یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ گرسیوک ہماری ہاکی ٹیم کا سابق کپتان اور انوار احمد ماسکو میں ہونے والے نوجوانوں کے میلے میں شرکت کے لئے جانے والی ہندوستانی ہاکی ٹیم کے لئے منتخب کر لئے گئے ہیں۔ گرسیوک اور انوار احمد ۳۰ جولائی کو ٹیم کے ساتھ دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز ماسکو کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔

آجکل ہمارے فٹ بال فیلڈ پر یو۔ پی پولیس کا سالانہ ہیبل فٹ بال ٹورنامنٹ ہو رہا ہے۔

سوئمنگ پول بند

پچھلے دنوں علی گڑھ میں انفلوئنزا کی روک تھام کے سلسلے میں جو اقدامات کئے گئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یونیورسٹی سوئمنگ پول کو بند کر دیا گیا ہے۔

اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا فیصلہ

ایس۔ ایف کے سکریٹری نے اطلاع دی ہے کہ ۲۸ جولائی کی شام کو ۶ بجے اے۔ ایس۔ ہال کینٹین میں ایس۔ ایف کی ایگزیکیوٹیو کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ ایس۔ ایف یونیورسٹی میں نئے طلبا کی ان کے داخلے کے سلسلے میں مدد کریگی۔ اسٹیشن پر اور اسٹریچی ہال کے باہر ایس۔ ایف کے والنٹیئرز لڑکوں کی مدد کے لئے موجود ہوں گے۔

یونیورسٹی میں سوشل ویلفیئر کا کام شروع ہو گیا

"طالب علم کی زندگی کی نئی منزل کی راہ کھل گئی۔ نئے طلبا نئے پروگرام نئی نئی تمنائیں اپنے دل میں لے کر یونیورسٹی میں آئے ہیں۔ اور خوشی خوشی جادۂ جہد شروع کریں گے۔ ہمارے نئے ساتھیوں کو تو ہر چیز نئی نظر آئے گی وہ رفتہ رفتہ ہر چیز سے واقف ہوں گے۔ اور اپنی اپنی دلچسپیوں کی تلاش شروع کریں گے۔ لیکن پرانے ساتھی اپنی تلاش کی ہوئی دلچسپیوں میں پھر سے مشغول ہو جائیں گے۔

اس مرتبہ یونیورسٹی کھلنے پر ہمارے ساتھیوں کو یونیورسٹی میں ایک نئی راہ سوشل ویلفیئر کے کام کی ملے گی۔ جس میں چھوٹے بچوں، گنجان بستیوں اور دیہات کے لئے کچھ پروگرام طے کئے گئے ہیں۔ ہمارے ایسے ساتھی جن کی زندگی عوام سے قریب ہے یا کرنا چاہتے ہیں، جن میں قوت عمل موجود ہے اور آنے والی زندگی کے لئے وہ ہر طرح تیار ہونا چاہتے ہیں اپنے بس بھر اس میں دلچسپی لیں گے۔ اور وقت کی ایک ضروری راہ پر گامزن ہوں گے۔

انفلوئنزا سے بچنے کی تدابیر

اگر انفلوئنزا کی علامتیں نمودار ہوں، یعنی (۱) ناک سے اور آنکھ سے پانی جاری ہو (۲) حرارت ہو (۳) تمام جسم میں درد ہو۔ (۴) کھانسی اور بلغم ہو۔ تو اس شخص کو فوراً ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہئے۔ مرض کو دوسروں تک پھیلنے سے روکنے کے لئے فوری اقدام اٹھانا ضروری ہے۔

مرض کا مقابلہ کرنے کے لئے غذا اچھی صاف اور طاقت بخش ہونی چاہئے۔ جس میں دودھ، مکھن، انڈے، ترکاری اور پھل ہوں۔ بہت کام کر کے دیر تک جاگنے۔ بے وقت ٹھنڈے پانی سے نہانے اور سستے ہوٹلوں میں یا خوانچے والوں کے خراب کھانے سے سخت پرہیز کرنا اشد ضروری ہے۔ خواہ ان سے انفلوئنزا براہ راست نہ ہو۔ لیکن جسم میں مرض سے لڑنے کی صلاحیت کم ہونے سے انفلوئنزا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

ایک ہی برتنوں میں سب کے کھانے یا ایک ہی تولیہ استعمال کرنے کی بھی یہاں مذمت کی جاتی ہے۔

زور سے کھانسنے یا چھینکنے سے بچنے کے لئے ململ کا ڈھاٹا (ماسک) چہرے پر لگانے یا رومال سے منہ ڈھکنے کی تلقین بھی کی جاتی ہے۔

خوامخواہ کی ملاقاتوں اور نشستوں اور تین آدمیوں سے زیادہ کے جھگڑوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ بات کرتے وقت معقول فاصلہ رہنا چاہئے۔ تاکہ مرض نہ پھیلے۔

المشتہر

مسلم یونیورسٹی ہیلتھ سروس

اردو کانفرنس؟

انجمن ترقی اردو ہند کے زیر اہتمام ۳-۴ جولائی ۷۵ء کو ایک کل ہند اردو کانفرنس علی گڑھ میں منعقد ہوئی۔ جسے پڑھے لکھے باخبر حلقوں میں کابینہ کانفرنس کہا گیا۔ کانفرنس میں پانچ اجلاس ہوئے۔ جس میں علاقائی تحریک لغت کمیٹی کی رپورٹ، رسم خط کا مسئلہ، انجمن کی شاخوں کی تنظیم اور اردو کے ناشروں، تاجروں اور صحافیوں کے مسائل پر غور و خوض کیا گیا۔ انجمن کی طرف سے ایک پریس رپورٹ میں کہا گیا کہ اس کانفرنس میں ہندوستان بھر سے تقریباً ۲۰۰ مندوب شرکت کر رہے ہیں۔ اور جن کی اتنی بڑی تعداد' میں شرکت پر صدر محترم، کرنل صاحب نے اظہار مسرت کیا۔ حالانکہ مندوبوں کی جو فہرست شائع ہوئی وہ ۸۷ سے زیادہ نہ تھی۔ اور اس بھاری تعداد پر اظہار مسرت بھی ارباب انجمن کے ولولوں کا بھرپور آئینہ دار ہے۔

کانفرنس کی صدارت کا سہرا انجمن کے مستقل صدر کرنل بشیر حسین زیدی کے سر بندھا۔ اور (غالباً من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو کے مصداق) کانفرنس کا افتتاح پروفیسر محمد مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ سے کرایا گیا۔ جن کی افتتاحی تقریر کو انجمن کے سرکاری اخبار میں پر مغز کہا گیا۔ مجیب صاحب کے ارشادات یہ تھے۔ کہ میرے نزدیک اردو کا سب سے بڑا حق آدمیت کے تصور کو قائم رکھنا ہے۔ اردو کا منصب بلکہ اردو کا دوسرا نام آدمیت کی تڑپ ہے۔ اس میں اسلام کا فلسفہ، ایران کی لطافت، ہندوستان کا مزاج، ترقی پسندی کے نزاکے بھی کچھ ہیں۔ انھوں نے کانفرنس میں شرکت کرنے والے خادمان اردو کو جن میں بہت سے ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے آئے تھے، مشورہ دیا کہ "اردو کے سیاسی حقوق کے مطالبے سے باز رہیں"۔ اور یہ کہ اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرانے پر ضد نہ کیجئے۔ ممکن ہے اس سے ضد پیدا ہو اور جو لوگ ابھی تک غیر جانبدار ہیں بدظن ہو جائیں"۔ اردو تو انسانیت کی تڑپ کا نام ہے۔ خانقاہوں میں بیٹھ' اور انسانیت کے لئے تڑپتے رہیے، اردو کا خدا خود حافظ ہے۔

صدر محترم نے اپنے خطبہ میں ڈاکٹر حسین کی پرسوز شخصیت کے فکر و شوق کی بلندی، اور ہستیوں کی پستی تک سب کا ذکر کیا۔ انھوں نے اردو کی جڑیں اس ملک کی سرزمین، اس کی تاریخ و تہذیب کی جڑوں سے ملائیں۔ اسے نہ کسی زبان کی ذیلی شاخ سمجھا، اسے مسلمانوں کی نہیں ہندوؤں اور سکھوں کی بھی زبان سمجھا اور درباروں سے نکال کر اس کی بنیادیں عوام کے ہاتھوں پڑوائیں۔ غرض انشا پردازی کے وہ جوہر دکھائے کہ دیادش بخیر، صدر صاحب کی نذر ہو گئی۔ صدر صاحب نے تان اس شاعرانہ خوش فہمی پر توڑی کہ "اگر آپ ہندوستان کی روح کو سمجھتے ہیں تو آپ کو اردو کے مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ جوں جوں ہندوستان میں قومیت، جمہوریت اور لامذہبیت کا تصور زیادہ مسلم ہوتا جائے گا، توں توں اردو کی مخالفت کم ہوتی جائے گی اور وہ دن دور نہیں جب سماج کا قدم بہ حیثیت مجموعی آگے کی طرف بڑھے گا اور اس وقت اردو کی پھر ضرورت پڑے گی"۔ اور اس گڑے ہوئے مردہ کو جسے اس سماج تک پہنچتے پہنچتے زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ ہم پھر سے اکھاڑیں گے۔ اور اس کی دلیل میں انھوں نے مرزا غالب کی مثال پیش کی جو اردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی بین مثال ہے۔ صدر صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے اس کا اعتراف کیا کہ دستخطی مہم میں انجمن کو زبردست شکست ہوئی ہے۔ اور حوصلوں کو بلند رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے تجویز کیا کہ "سارے ہندوستان میں ایک یوم اردو منایا جائے اور ایک وفد صدر جمہوریہ سے ملے اور دسمبر میں دہلی میں ایک بڑی کانفرنس بلائی جائے"۔ اور علاقائی زبان کی تحریک پر بار بار زور دینے کے باوجود ایک جگہ خطبہ کے متن کے علاوہ ایک جملہ یہ بھی فرمایا کہ "اسی لئے میں کہتا ہوں کہ علاقائی زبان کے مطالبہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے"۔ اور پھر ایک رخ اور پلٹا۔ انہوں نے کہا "نیا ہندوستان اردو کے ساتھ جو سلوک اب تک کرتا رہا ہے صرف اس سے ہندوستان پر حکم نہ لگائیے۔ اس سلوک کی کچھ ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ہم نے ابھی تک نئے ہندوستان کے بنانے میں، سماج کو آگے بڑھانے میں، معیار زندگی بلند کرنے میں، قومی دولت کے اضافے میں، کارکردگی اور صلاحیت کو بڑھانے میں اور قومی تعمیر کے خاکہ میں رنگ بھرنے میں کیا حصہ لیا ہے"۔ گویا انہوں نے گھما پھرا کے سارا الزام ہمارے سر تھوپ دیا اور صوفیوں کے اس اصول کی پیروی کی کہ دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر دو اور صرف اپنی خامیوں پر نظر ڈالو۔

اور صدر کے عظیم الشان خطبہ کے بعد مجاہد ملت حفظ الرحمٰن نے اپنا وہ معرکۃ الآرا ریزولیوشن پیش کیا جس پر دن بھر بحث ہوتی رہی۔ اور جس کا مقصد اگر کچھ تھا تو یہ کہ صدر جمہوریہ سے ملنے کی ایک اور صورت نکل آئے۔ اس قرارداد میں صدر سے پچھلی ملاقات کا ایک سرسری تذکرہ ہونے کے باوجود ہماری اس ناکامی پر کوئی اظہار افسوس نہیں تھا جس پر ایک اعتراض بھی کیا گیا۔ اور کافی بحث کے بعد مجاہد ملت نے حیرت اور افسوس کے وہ الفاظ کا اضافہ کیا تھا جنہیں انجمن کے سرکاری اخبار میں قرارداد کی جو نقل شائع ہوئی اس میں قصداً یا سہواً اڑا دیا گیا۔ یہاں دوسری قراردادوں کا تذکرہ بے محل ہے اس لئے کہ مجاہد ملت کی قرارداد سب پر چھا گئی تھی۔ اور باقی ماندہ قراردادیں محض خانہ پری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان میں سے اکثر مجاہدات کی قرارداد کا ایک چربہ تھیں۔

اردو کانفرنس کی یہ رپورٹ آپ کے پیش نظر ہے۔ اس کانفرنس نے دو تین باتوں کو خوب اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ انجمن کی یہ کانفرنس ایک سنجیدہ مذاق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور صدر کے اس اعلان کے باوجود کہ "کانفرنس کا مقصد محض ایک مظاہرہ یا محض ایک شاندار اجتماع کبھی نہیں تھا" بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی بلکہ اس سے بھی کم ہی رہی۔ کانفرنس کے خطبات اور روداد جو ہمارے عالی مرتبت قائدوں کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ ہماری قیادت کے ظاہری لبادے کو پوری طرح چاک کر دیتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے سسکتے، ہانپتے اور ہارے ہوئے لیڈر نظر آتے ہیں۔ جن کے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے ہیں جو ہماری زبان، ہماری آبرو اور ہمارے سارے تہذیبی سرمایہ کو حکمران طبقہ کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہیں۔ اور جو اس سنگین حقیقت کو



بت تراش تراش کر چھپانا چاہتے ہیں۔ نہ ان میں کسی بل ہے اور نہ ان کی خواہش کہ اردو کی تحریک کو عوامی رنگ دیا جائے اور یہ چاہتے ہیں کہ اردو کے ان بیشمار خادموں کو جو ہندوستان کے طول و عرض میں خاموش کام کر رہے ہیں کسی نہ کسی طرح ایک ایسی تسبیح میں پرو دیا جائے جسے یہ خود گھمائیں اور اپنے زہد و تقوی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں انہیں نہ اردو عزیز ہے نہ اردو کی خدمت ان کا مسلک یہ ہے کہ اردو کے ذریعہ لیڈری قائم رہے۔ اس کی دلیل میں صرف ایک مثال کافی ہے۔ انجمن کے

اردو تحریک کے جلیل القدر قائد

کیا ان کے ہاتھوں میں اردو کا مستقبل محفوظ ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے ——— ؟

اخبار میں جن جانشینوں کے گروہ کا ذکر کیا گیا ان میں صرف اردو کے نامور ادیبوں اور مقتدر رہنماؤں کے ہی نام گنائے گئے۔ اور اردو کے خاموش سرگرم خادموں (مثلاً غلام سرور اور آر کے آسمانی وغیرہ) کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ انجمن کے سکریٹری صاحب نے بہار کی انجمن ترقی اردو کے گروہ کے سارے کام پر پانی پھیر دیا محض اس لئے کہ انھوں نے کبھی اس کی تکلیف گوارا نہیں کی تھی کہ وہاں کی سرگرمیوں سے باخبر رہیں۔ یہ تمام باتیں ایک واضح نقطۂ نظر کی نشاندہی کرتی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کسی طرح قیادت برقرار رہے۔ کانفرنس کی کارروائی پر ایک صاحب کا یہ تبصرہ "جھگڑا اس بات پر نہیں ہے کہ اردو کا کیا ہوگا۔ بلکہ اس پر ہے کہ مرکز کی چادر اور ناتھ کے بنانے کون لے گا" پرمعنی بھی ہے اور اہم بھی۔

ہم کانفرنس کی روشنی میں چند فیصلے کرنا چاہتے ہیں۔ ان فیصلوں میں ہمیں انجمن ترقی اردو ہند کے مستقبل، اس کی قیادت، علاقائی تحریک اور شاخوں کی تنظیم کے مسئلوں کو پیش نظر رکھنا ہے۔ ہندوستان کے تمام اردو دوست حلقوں سے ہماری اپیل ہے کہ وہ ہماری تجویزوں سے اتفاق و تعاون کریں۔

نمبر ایک یہ کہ انجمن کی قیادت بدل جائے۔ ہمیں ناکارہ اور مردہ قیادت نہیں جاندار، توانا اور بے باک خادموں کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انجمن کا سکریٹری محض ایک ذیلی سکریٹری نہ ہو جو اپنی تنخواہ کا نصف یا اس سے کم لے اور اس طرح اپنے فرائض کی کوتاہی کے لئے جواز پیدا کرے بلکہ ایک whole Time ملازم ہو جو چوبیس گھنٹے انجمن کے کام میں گزار سکے۔ ہمارا خیال ہے کہ انجمن کی صدارت کیلئے علی گڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر (زیدی صاحب خاص طور سے) موزوں نہیں۔ صدر کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ کانگریسی ہو۔ اور نہ ہی اردو علی گڑھ والوں کی جاگیر ہے۔ جو انجمن کے اہم عہدوں پر قابض رہیں۔ انجمن کی مجلس منتظمہ میں سے اردو کے نامور ادیبوں، شاعروں اور سیاسی رہنماؤں کو برطرف کیا جائے کتب خانوں میں سر مارنے والے عالم اور شاعری کے تخیلی محلوں میں رہنے والے فنکار اردو کی تحریک نہیں چلا سکتے۔ صرف ادب پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں ان زمینوں میں نہیں آنا چاہئے جہاں معاملہ فہمی، مصلحت، دوراندیشی، بے باکی اور انتھک دوڑ دھوپ کی ضرورت پڑتی ہے۔ احتشام صاحب، حیات اللہ انصاری یا حفظ الرحمن ہمارے نزدیک کھوٹے سکہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو ہمارے بازار میں نہیں چلے گا۔

نمبر دو یہ کہ انجمن کی تنظیم بدل جائے۔ مرکزی انجمن کو تین آزاد خودمختار شعبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پہلا شعبہ نشر و اشاعت کا کام کرے۔ کتابیں لکھوائے، ترجمہ کرائے اور انہیں شائع کرے۔ دوسرا شعبہ اردو تحریک کا کام چلائے۔ یعنی علاقائی زبان کی تحریک کو عوامی رنگ دینے کے لئے جد و جہد کرے۔ تیسرا شعبہ اردو کی ترویج و ترقی کا کام سنبھالے یعنی شاخیں قائم کرے۔ گشتی لائبریریاں، اردو سے متعلق نظم و تنبیہ، مدرسے ریڈیو سے اردو کے پروگرام اور اسی قسم کی دوسری سرگرمیوں کے لئے۔ وقف ہو ہمارے ادیبوں اور شاعروں کے لئے صرف پہلے شعبہ میں گنجائش نکلتی ہے باقی سے انہیں ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اور دوسرے اور تیسرے شعبوں میں نہ ادیبوں اور شاعروں کے لئے کوئی جگہ نکلتی ہے نہ لیڈروں کے لئے۔ یہاں صرف مخلص کارکن چاہئیں

نمبر تین یہ کہ دسمبر یا نومبر میں ہندوستان بھر میں اردو کے مرکز کی ایک کانفرنس بلائی جائے جس میں کوئی لیڈر مدعو نہ ہو۔ جہاں صرف مخلص اور سرگرم کارکن موجود ہوں جو اور انجمن کی تنظیم اور اردو کی تحریک کے نئے مسائل پر غور و خوض کریں اور ایک لائحہ عمل تیار کریں جو سیاسی کھلاڑیوں اور علم دشمنوں سے قطعی پاک ہو۔ اگر آپ کو اردو سے واقعی محبت ہے تو آئیے ہماری کمزور آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملائیے تاکہ یہ طاقت ور اور توانا ہو سکے اور اس کی گونج ہمارے سماج کے نچلی سطحوں تک پہنچیں۔ صرف بالائی منزل کے زرپرستوں اور عیش و عشرت میں گم ہو کر نہ رہ جائیں۔ اگر آپ اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا سکتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہرگز نہیں۔ فرصت نہیں۔ مقصود کا

(صفحہ ۱ سے آگے) لو ہم پھر آ گئے

حرمت و آبرو بھی لے گیا۔ حکومت کی نگاہوں میں وہ مشکوک ہو گئے۔ اور اہلِ وطن کی نظروں میں معتوب۔ مسلمان جس کا کاسۂ خودی پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ اس چوٹ کو برداشت نہ کر سکا۔ اور بجائے کوئی راہِ عمل تلاش کرنے کے یہ گمان کو سکون پا کر آیا۔

انگریزوں کی نفرت سنت اخلیہ کر گئی

ہر نئی چیز بری بن گئی
اہلِ وطن کا اعتبار اٹھ گیا

اور اس کے نتیجے میں ایک اتھاہ ناامیدی تھی۔ جس نے پورے ماحول کو مسموم کر دیا۔

اس ماحول میں جب سرسید کی آواز گونجی تو وہ بالکل نئی آواز تھی اس لئے وہ بجائے محبوب ہونے کے معتوب ہو گئی۔ وہ انگریز شناسی کی آواز تھی اسلئے قابلِ نفرت ٹھہری۔ وہ حقانی ہم آہنگی کی علمبردار تھی۔ اس لئے بے اعتبار ہو گئی...... مگر وہ وقت کی آواز تھی۔ اس آواز میں تقدیریات الٰہی تھی۔ وہ کسی فلسفی کا فلسفہ نہیں تھا نہ کسی مرشد کا اپدیش۔ وہ حکیمِ وقت کا فیصلہ تھا اور سوچا سمجھا فیصلہ ـــ جلد یا بدیر سب کو ہی اس فیصلہ کو ماننا پڑا اور سب کو ہی اس مرکز پر جمع ہونا پڑا۔

جب یہ تحریک ابھر کر شباب پر آئی تو یہ ایک علمی تحریک بھی تھی، ادبی اصلاحات کی داعی بھی اور نئے تفکر کی بانی بھی۔ دنیا کے سینے پر آج تک جتنی ایسی تحریکیں اٹھیں جنہوں نے کسی قوم کے مجموعی طرزِ فکر کو بدلا ہو ان میں علی گڑھ تحریک بھی ایک ہے۔

۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو ایک بار پھر اسی ماحول کا سامنا کرنا پڑا جس کا سرسید نے کیا تھا۔ مگر اس وقت قوم کی خوش قسمتی سے اس کو سرسید جیسا مجاہد ہمہ گیر قائد مل گیا تھا۔ جو ایک سیاسی لیڈر بھی تھا، ادیب بھی، ماہرِ تعلیم بھی اور حکیمِ وقت بھی۔ جو دنیا بھر کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھانے کا حوصلہ رکھتا تھا اور جو بچوں کو انگلی پکڑ کر چلا سکتا تھا اور پھر اس انتشار میں ایک ہر گفتار سکتا تھا کہ اس میں یہ طاقت پیدا ہو کہ وہ اس بگڑی ہوئی قوم کی ڈوبتی کشتی کو منجدھار سے نکال سکے۔

اس بار بھی قوم کی خوش نصیبی سے اسے خود سرسید کا ایک ایسا ہی تربیت کردہ فرزند ملا ـــ ڈاکٹر صاحب کو قریب قریب انہی حالات کا سامنا کرنا پڑا جس سے سرسید گزرے تھے۔ مگر انہیں نہ سرسید جیسا حق ملا تھا اور نہ ان کی گرتی ہوئی صحت ان کو زیادہ مہلت دے سکی۔ پھر انہوں نے اس ادارے کو ایک نئی زندگی دی مگر اس تحریک کو ایک نیا رخ نہ دے سکے۔ آج بھی گو علی گڑھ تحریک کا تذکرہ پہلے سے زیادہ ہے۔ اور یہ تذکرہ ذکر سے بڑھ کر ورد ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن آج علی گڑھ تحریک کی جتنی قابلِ رحم حالت ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔ ہم لوگ بھولے ہوئے ہیں کہ علی گڑھ تحریک کبھی پارک اور ماہ باغ کا نام لینا نہیں بلکہ ان اصولوں کا مجموعہ ہے جن کا سرسید اور ان کے رفقاء نے پرچار کیا۔ ہونے کو تو آج آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بھی ہے۔ اور علی گڑھ گزٹ بھی نکلتا ہے۔ مگر ہر شخص جانتا ہے کہ یہ بے روح جسم ہیں جنہیں مصالحے لگا کر PRESERVE کر دیا گیا ہے۔

اب کچھ نئے آنے والوں سے بھی کہنا ہے۔ آپ جو علی گڑھ آئے ہیں تو آپ یہاں کی تہذیب سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہوں گے۔ اگر نہیں ہوں گے تو علی گڑھ آپ کو بہت کچھ سکھائے گا۔ یہ بڑا منگرا ادارہ ہے جو ایک نظروں کی طرف دیکھتا ہے اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ اسے سنوارتا اور نکھارتا ہے۔ اس میں وہ خوبیاں پیدا کرتا ہے جو اسے دوسرے اداروں کی تعلیمات سے ممتاز کرتی ہیں۔ اگر سوجھ بوجھ نہ ہو تو بگاڑنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ یہ محض ایک ادارہ نہیں، ایک تہذیب، ایک تمدن، ایک تاریخ کا نام ہے۔ یہاں آپ کو اس تاریخ اور اس تہذیب کے تدریجی ارتقاء کی ساری اہم کڑیاں نظر آئیں گی ـــ آپ آ رہے ہیں تو اس تہذیب کو سیکھنے کے لئے آمادہ ہو کر آئیے، اگر آپ اسے نہیں سمجھ پائیں گے تو آپ کو بڑی مایوسی ہوگی۔ یہ تہذیب اصل میں ایک تہذیب نہیں، تہذیبوں کا سنگم ہے۔ یہاں مختلف مکاتبِ فکر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ سب آپ کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کریں گے۔ آپ آ رہے ہیں تو دل و دماغ کے دریچے کھلے ہوئے رکھ آیئے۔ سب سے کچھ نہ کچھ سیکھئے، کسی کو اپنے اوپر مسلط مت کیجئے، اپنے خیالات اور تصورات کی اصلاح اور تہذیب میں کوئی کسر اٹھا کے نہ رکھئے لیکن ان پر کسی کا ٹھپہ مت لگوائیے، فکر و نظر کی آزادی ہمارے نزدیک سب سے بڑی نعمت ہے، اس نعمت کو بچا بچا کر رکھئے۔ یہ خود احتسابی کی بہترین مثال ہوگی۔

علی گڑھ تہذیب اپنے پیچھے روایات کا ایک خزانہ لئے ہوئے ہے آپ کوشش کیجئے کہ اس خزانہ میں جو کھوٹ کسر ہو اسے تلاش اور [illegible] کر سکیں، جو کھرا ہو اسے استعمال کیجئے۔ اس کے لئے کسی فرد، کسی ادارہ یا کسی عقیدہ کی دلجوئی یا دل شکنی کی پرواہ مت کیجئے، خیالات اور عقاید کے جھوٹے بتوں کو توڑنا ضروری ہے، اس کے لئے تیشہ اٹھانا ہی پڑے گا۔

پھر علی گڑھ میں آپ کو بڑا تضاد نظر آئے گا۔ یہاں ان روایات کے بنانے والوں میں جن میں محمد علی، حسرت اور دوسرے ان گنت، فن کار، جلیج اور مدبر پل کے جوان ہوئے تھے، آپ کو ایسے مبلغ اخلاق ملیں گے جن کے پیچھے مکر و دنیا کاری سے بھرے ہوئے ہیں، ایسے فلسفی ملیں گے جن کا فلسفہ ہوٹلوں کے کمروں اور ڈرائنگ روم کی کثیف فضا میں پھولتا ہے۔ اور جس کا تر و تازہ محنت زندگی سے کوئی تعلق نہیں، ایسے صوفی ملیں گے جو ذہنی بیماریوں کو تصوف کے موٹے موٹے غلافوں میں چھپائے رکھتے ہیں، ایسے اسکالر ملیں گے جن کا علم و فضل اگر کچھ ہے تو صرف یونیورسٹی کی چار دیواروں کے اندر، آپ ان میں سے کسی سے دھوکہ مت کھائیے کہ یہ بڑے جادوگر ہوتے ہیں۔ اکثر ایسے لوگ اکثریت سے ملیں گے جو یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ اصل میں علی گڑھ یہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنی اس ازلی بصیرت کو یہاں کی چکاچوند میں ضائع نہ کر دیں جو ظاہری چمک دمک کے اندر تک اتر جاتی ہے۔ اگر آپ اس میں کامیاب ہو گئے تو آپ کو ایسے تمام عناصر کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ اپنے ذہن کو آلودگیوں سے صاف کیجئے، انصاف اور شرافت کے ان مقدس لبادوں کو چاک کر دیجئے، جو آپ کو کھری بات کہنے سے روکتے ہیں اور اس مقدس لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے جو آپ کو شرم ناانصافی اور بددیانتی کے خلاف شروع کرنی ہے۔ ورنہ ان ابلیس کے دیوتا آپ کو پتھر کا بنا ڈالیں گے۔

(صفحہ ۲ سے آگے)

تو مجھے چاہے نہ چاہے یہ تیرے بس کی ہے + اور میں تجھکو نہ چاہوں یہ میرے بس میں نہیں

زہر غم پیا کے ترے ہونٹوں پہ جھونگ بھی آئے + میری آواز مگر پھر بھی ہے اہنگ شیریں

نہ تیری سرکشی بدلی نہ اپنا بانکپن بدلا + اگر بدلا تو آخر کار یہ چرخ کہن بدلا

نہ فصل دلبری بدلی نہ خوئے عاشقی بدلی + فقط گیسو بھی ہو سلے سایہ دار رسن بدلا

لہو ہم کشتگان غم کا آخر کچھ تو کام آیا + ہمارے بعد سنتے ہیں وہ رنگ انجمن بدلا

"بھیرویں"

کچی نیند کے جھونکوں سے — پیار سے پیار سے پھول کنول کے
اب مت کھیلو میری رانی — اپنی پلکیں کھول رہے ہیں
بھور سمے کی نئی ہوائیں — کسم کی پیالی سے رہ رہ کر
پاؤں تمہارے چھوتی ہیں — رس کی مدرا چھلک رہی ہے
آنگن کی سوندھی مٹی پر — جوہی کی کلیوں کا گھونگھٹ
آنسوؤں کی سندر سکھیاں — رخساروں سے سرک گیا ہے
نام تمہارا لکھتی ہیں — گوری کے کانوں کے بندے
نیل گگن کے تھال پہ کوئی — جانے کب سے جھنگ چلے ہیں
پاؤں میں اپنے گھنگھرو باندھے — دیوتاؤں کی ہر ہر مورت
دھیرے دھیرے ناچ رہا ہے — آنکھیں مل کر دیکھ رہی ہے
دھرتی کروٹ سی لیتی ہے — ساری فضائیں بول اٹھی ہیں
کوئی نیا سرجگ رہا ہے — اک خوشبو سی پھیل رہی ہے
ہری بھری شہتوت کی ڈالی — بھونرے پاگل چھا رہے ہیں
امرت رس میں ڈوب چلی ہے — پتا پتا بوٹا بوٹا
ہر کونپل انگڑائی لے کر — ذرہ ذرہ جاگ رہا ہے
اپنی سیج پہ اٹھ بیٹھی ہے — اٹھو اٹھو میری رانی
مانسروں میں اچھلتے رہیں — میری رانی جاگو جاگو
میٹھے میٹھے ٹکوروں سے — آج نیا سورج نکلے گا

آج نیا دن آئے گا

مانگے کا ٹکڑا

سارے چتر سیانوں کو مانگے گا کا ٹکڑا کھانے دو
ہم مورکھ ہیں، ہم کو یونہی فاقوں سے مرجانے دو

سانولا دیس

نگر نگر کی خاک اڑائی دنیا دیکھی بھالی ہے
اپنے سانولے دیس کی پھر بھی کوئی بات نرالی ہے

عرفان الشریف نے ترتیب دیا ــــ نیشنل پرنٹرز میں چھپواکر دفتر علیگ ۲۰ آفتاب ہوسٹل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شائع کیا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۱۹۵۷ء - ۱۹۵۸ء کے سیشن میں داخلے کی اطلاع

آرٹس اور سائنس کی فیکلٹی

داخلے ۲۳ جولائی سے شروع ہو کر ۲۰ جولائی ۱۹۵۷ء کو ختم ہوں گے۔ اس کے بعد داخلے صرف غیر معمولی صورت حال میں ہو سکتے ہیں۔ یونیورسٹی میں سائنس، آرٹس اور کامرس میں "پری یونیورسٹی امتحانات" اور بی اے، بی ایس سی، بی کام، ایل ایل بی ایم اے، ایم ایس سی، ایم کام، پی ایچ ڈی کی ڈگری، امور خارجہ کا ڈپلوما اور جرمن، فرانسیسی، عربی، فارسی اور روسی زبان کے پرافیشنسی سرٹیفکٹ کے نصاب کی تعلیم کا انتظام ہے۔ چونکہ یونیورسٹی تین سال کا ڈگری کورس شروع کرنا چاہتی ہے اور انٹرمیڈیٹ کے امتحان ختم کرنا چاہتی ہے۔ اسلئے وہ امیدوار جنھوں ہائی اسکول امتحان پاس کیا ہے، پری یونیورسٹی کورس میں داخل کئے جائینگے جو ایک سال کی مدت کا ہو گا۔ اس سال انٹرمیڈیٹ کے سال اول میں کوئی داخلہ نہ ہوگا۔ ایسے امیدوار جنھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ہے وہ دو سال کے ڈگری کورس کے پہلے سال میں داخل کئے جائیں گے۔ یونیورسٹی نے اس سال سے (STATISTICS) کے ڈپلومے کا انتظام کیا ہے جو ایک سال کا ہو گا جو دوسرے یونیورسٹی کورسوں کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے اور ان کے لئے کار آمد ہو سکتا ہے۔ جو کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور نیشنل ایکسٹنشن سروس پروجیکٹ میں پروگرس اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنا چاہتے ہیں۔ جغرافیہ، ریاضی، سائیکالوجی کے ایم اے پریویس اور ایم ایس سی پریویس میں نشستیں محدود ہیں اور ان درجوں میں داخلے کیلئے فارم رجسٹرار کے دفتر میں ۱۸ جولائی تک پہنچ جانے چاہئیں۔

چند اسٹوڈنٹ شپ اور اسکالرشپ، فیس میں رعایت اور تخفیف شدہ فیس وغیرہ اور پست اقوام اور مسلمانوں کے پسماندہ طبقوں میں مستحق طالب علموں کو اسکالرشپ مل سکتے ہیں۔

داخلے فارم اور وضاحتی پمفلٹ رجسٹرار کے دفتر سے مفت طلب کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی پراسپکٹس رجسٹرار کے دفتر سے ایک روپیہ پچاس نئے پیسے کا منی آرڈر بھیجنے پر مل سکتا ہے۔

رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ